جوئے شیر

عدم

کاروانِ ادب ○ ملتان

انسان
— مرجاتا ہے
کتاب
— زندہ رہتی ہے!

باراوّل — ۱۹۷۶ء
تعداد — گیارہ سو
قیمت — دس روپے

باہتمام — محمد عمر

ندرت پرنٹرز لاہور

کاروانِ ادب
ملتان صدر

کتابت: سلیم چشتی مرکز کتابت ملتان

مندرجات

سن سن کے کوہکن کی تباہی کے واقعات
ہر زلف کہہ رہی ہے کہ میں جُوئے شیر ہوں

عدمؔ

مے بشکلِ کتاب ملتی ہے
دعوتِ انقلاب ملتی ہے
چل خرابات میں کہ صرف وہاں
زندگی بے نقاب ملتی ہے!

ہر صدف سے گُہر نکلتا ہے!
ہر دُعا مستجاب ملتی ہے
خضر و عیسےٰ کے زرد چہروں کو
آبروئے گلاب ملتی ہے

پائے شبنم پہ ناصیہ فرسا
گردنِ آفتاب ملتی ہے!
جرم کن محنتوں سے ہوتا ہے!
سرزنش کیا شتاب ملتی ہے

دلِ تونگر جنہیں عطا ہو عدمؔ
ان کو قسمت خراب ملتی ہے

مری خرد کا مکمّل حساب کر ساقی
مجھے کچھ اور بھی مست و خراب کر ساقی

جو لوگ بادہ کشوں کی خوشی سے جلتے ہیں
انہیں کشادہ دلی سے کباب کر ساقی!

اُجڑ نہ جائے گلستاں کہ پھول بدظن ہیں
بکھر نہ جائیں بہاریں شتاب کر ساقی

بوقتِ شب جہاں سورج طلوع ہوتے ہیں
مرے لئے وُہ جگہ انتخاب کر ساقی

فقیہہ و شیخ کے مکتب ہیں زنگ آلودہ
کوئی نیا سا مرتّب نصاب کر ساقی

جو تشنہ کام چلا آئے تیری محفل میں
بلا دریغ اُسے باریاب کر ساقی

سخی کا ظرف ہے ہر ناپ تول سے بالا
نہ ہاتھ روک نہ کوئی حساب کر ساقی

وہ حکمرانِ جہاں ہو کہ مفتیٔ دوراں
جو بے ادب ہو اسے بے نقاب کر ساقی

عدمؔ سے ہونٹ ملا اور بکھیر دے زلفیں
دُعائے مستیٔ شب مستجاب کر ساقی

○

مرے ضمن میں تمہیں یونہی بدگمانی ہے!
سبو میں مے تو نہیں گلستاں کا پانی ہے!

مری خوشی کے لیے ایک جام پی لیجے
سحر کا وقت ہے اور رُت بڑی سُہانی ہے

تم اور اتنی کشادہ دلی سے پیش آؤ!
میں سوچتا ہوں ستم ہے کہ مہربانی ہے

یہ کائنات تری، اے طلسم بندِ ازل!
بڑی حسین ہے، لیکن بہت پرانی ہے

حیات نام ہے جس بے وفا حسینہ کا
اسی کی ایک ادا، مرگِ ناگہانی ہے

سُنا رہا ہُوں مَیں احوالِ واقعی اُن کو
وہ ہنس رہے ہیں کہ شاید کوئی کہانی ہے

کلیم پر بھی ہے ممکن گرا ہو کچھ لیکن !
جو ہم پہ ٹُوٹی ہے وُہ تو تری جوانی ہے

کسی حَسین بدن کے بغیر نُور کہاں !
دیا جلانا تو محض ایک نقل اُڑانی ہے !

کسی حسین کے ہمراہ جو بسر ہو عدمؔ
اُس ایک پل کا لقب عمرِ جاودانی ہے

○

جو رہ محبوب ہو، خدا رکھے!
کیا خوش اسلوب ہو خدا رکھے!

ہم بھی کیا دلفریب و نادر ہیں
تم بھی کیا خوب ہو، خدا رکھے

ہم بھی دل پھینک اور پاگل ہیں
تم بھی مجذوب ہو خدا رکھے

بے وفا، سنگدل، جفا پیشہ
جو بھی ہو خوب ہو خدا رکھے

پڑھتا رہتا ہوں تم کو حیرت سے
رب کا مکتوب ہو خدا رکھے

اک عدم ہی نہیں فدا تم پر
سب کو مرغوب ہو خدا رکھے

○

اَور سَب تو وفا کے بھُوکے ہیں
ہم تمہاری جَفا کے بھُوکے ہیں

زہر بھی ہو تو ہم وُہ کھا لیں گے
کیونکہ ہم اِنتہا کے بھُوکے ہیں

آنکھ پیاسی ہَے ہنستے مکھڑے کی
کان میٹھی صَدا کے بھُوکے ہَیں

کوئی اِتنا بڑا سوال نہیں
ہم ذراسی دیا کے بھُوکے ہیں

ہم کو لینا کِسی سے کیا ہَے عدؔم؛
ہم تو میٹھی ادا کے بھُوکے ہیں

○

تیرے خطوطِ حُسن میں جو بے نقاب ہے
وُہ عشق کے حواس پہ پردہ کا خواب ہے

اے گُل بدن تپاک سے مِل مجھ کو، کیونکہ تُو
میری کسی حسین دُعا کا جواب ہے

یہ چیز تو سنگار ہے، تیرے جمال کا!
تجھ کو مری نگاہ سے کیوں اجتناب ہے

ڈھالا گیا ہے تجھکو مرے مشورے کے ساتھ
تو میری مانگ ہے، تو مرا انتخاب ہے

کچھ کچھ تو آپ بھی ہے، بڑی دلفریب چیز
کچھ کچھ مری نگاہ کی بھی آب و تاب ہے

زلفیں مہ و ستارہ کے معبد، نظر شراب
انفاس انگبین ہیں، پسینہ گلاب ہے

آ تجھ کو چند سانس، حیاتِ ابد کے دُوں
اے خضر میرے پاس ذرا سی شراب ہے!

میرے خلوص پر بھی نہ کر اتنا اعتماد
اے صاحبِ جمال، زمانہ خراب ہے!

دریا کے جسم پر جو یہ ننھا سا ہے اُبھار
گر آبلہ نہیں تو یقیناً حباب ہے

آ مل کے دو گھڑی کریں اس کا مطالعہ
کہتے ہیں دوستی بڑی روشن کتاب ہے

فرصت ملے تو سنتا رہوں، عمر بھر عدمؔ
ان انکھڑیوں میں، ایک جہاں خطاب ہے

○

چھُو کر تری قبا کو جواں ہو گیا ہُوں میں
کتنا عظیم فلسفہ داں ہو گیا ہوں میں

شاید کہ راہ میں کسی کاکل سے ہو ملاپ
خوشبو کی جستجو میں رواں ہو گیا ہُوں میں

محشر میں بھی نظر ہے اُسی پر جمی ہوئی !
اِس اجنبی جگہ بھی عیاں ہو گیا ہوں میں

یارب ترے بہشت میں کیا دل لگے مرا
شاید ہزار بار، یہاں ہو گیا ہوں میں

اتنے کئے ہیں سُود و زیاں پر تفکّرات
پُوری کتابِ سُود و زیاں ہو گیا ہُوں میں

وُہ تجھکو ڈھونڈنے میں ہیں گُم میرے حکم سے !
دُشواریٔ زمان و مکاں ہو گیا ہُوں میں!

آنسو ڈھلک پڑے ہیں عدم اس کی آنکھ سے
تھوڑا بہت ضرور بیاں ہو گیا ہوں میں

○

بیقراری ہے سب، دکھاوے کی
پیڑ ہے یار کے بُلاوے کی

دیتے لیتے نہیں کبھی وُہ کچھ
دِلربائی ہے سب دکھاوے کی

آگ ہو، دار ہو کہ ایٹم ہو
صورتیں ہیں غلط ڈراوے کی

دھیان گلشن کے بیل بُوٹوں پر
آنکھ مالن پہ، سَنت باوے کی

امن کے جتنے دیوتا ہیں، عدمؔ
آندھیاں ہیں وُہ سرخ لاوے کی

○

اُف وُہ نظر جو ہوش اُڑا کر چلی گئی!
دانش کا پہلا حرف پڑھا کر چلی گئی!

رُخصت ہوئے وُہ ایسے غریبوں سے رُوٹھ کر
جیسے کہ جان جسم میں آ کر چلی گئی

بعد اس کے آ گیا کوئی لے کر نیا چراغ
اُمّید جب چراغ بجھا کر چلی گئی

واقف ہیں ہم خوشی سے مگر صرف اس قدر
چپکے سے آئی، شکل دِکھا کر چلی گئی

آئی بہارِ تازہ عدمؔ، جب بھی باغ میں
سارے چمن کو آگ لگا کر چلی گئی

○

چھیڑو تو اُس حسین کو چھیڑو جو یار ہو
ایسی خطا کرو جو ادب میں شمار ہو

کیسی حسین اداؤں سے کرتے ہو لُوٹ مار
بالکل مری پسند کے مُختارِ کار ہو

بیٹھی ہے ہمتوں میں وفاؤں گھری ہوئی
جیسے کسی حسین کی گردن میں ہار ہو

کتنے عرُوج پر بھی ہو موسم بہار کا
ہے پھُول صرف وہ جو سرِ زلفِ یار ہو

میں اپنی زندگی کا مجازی عتاب ہوں
تم میری زندگی کا حقیقی قرار ہو

کرتے ہو صرف رس بھری باتوں سے شاد کام
کس درجہ کامیاب فسانہ نگار ہو

مر جائے زہر کھا کے عدم آدمی مگر
صد حیف ہے کسی کا اگر زیرِ بار ہو!

○

رات کی وسعتوں میں گُم ہو جا
ایک ہی بار چین سے سو جا

تیرے ساتھی بچھڑ گئے ہیں اگر
تُو بھی میلے کی بھیڑ میں کھو جا

تاکہ کل تیرا وقت بچ جائے
تو مجھے پیار سے ابھی رو جا

میکدے سے نکل ولی بن کر
داغ زاہد بدی کے سب دھو جا

کوئی حسرت تو اپنی کر پُوری
اس پہ قربان ہی عدمؔ ہو جا

(۱)

چیز کوئی نفیس لیتا جا!
جوگیوں کی اسیس لیتا جا!

ہم فقیروں کے مال خانے سے
کچھ نہ کچھ اے رئیس لیتا جا

دل کے ٹکڑے نہیں، جواہر ہیں
تو بھی چھوٹا سا پیس لیتا جا

حُسن دو دن کی عارضی شے ہے
فیض کر اور اسیس لیتا جا

خُلد ڈیرہ ہے صوفیوں کا عدم
بوتلیں تیس تیس لیتا جا

جو پرندہ ہے، وُہ بے آرام ہے
زندگی آوارگی کا نام ہے

کیوں نہ سچ مچ لُوٹ ہی لُوں یہ ثواب؟
مجھ پہ فرضیِ عشق کا الزام ہے

زندگی بے رنگ کیا ہو گی بھلا
خوبصورت خواہشوں کا دام ہے

چارہ سازوں سے رہائی مل گئی!
اَب مجھے آرام ہی آرام ہے

کام کم کرنا، زیادہ سوچنا
باخدا کِس درجہ مشکِل کام ہے

رَب جہاں پھرتا ہے بے پردہ علَم
وُہ جگہ تو کوچۂ اصنام ہے

○

ہجومِ میکشاں، آب و ہوا کی چیز ہوتے ہیں
یہ میلے، موسمِ جرم و خطا کی چیز ہوتے ہیں

وُہ جو برتاؤ بھی ہم سے روا رکھے، خوشی اُسکی
وُہ واقف ہیں کہ ہم اُس بے وفا کی چیز ہوتے ہیں

زباں تو بالیقیں اس شغل میں کافی پہنچتا ہے!
مگر دھوکے حسینوں کے بلا کی چیز ہوتے ہیں

ستاروں کو فلک پر چھوڑ دینا ظلم ہے بے حد
کہ وہ تو صرف تزئینِ قبا کی چیز ہوتے ہیں

خوشی ہے جو پرندہ ہے، کسی موہوم دنیا کا!
مصائب تو اِسی ارض و سما کی چیز ہوتے ہیں

اگر یہ ٹھیک ہے تو آپ پر، میرا بھی کچھ حق ہے
سُنا ہے آپ میرے کبریا کی چیز ہوتے ہیں

عدؔم یزداں تو شے ہے، عرش پر محفوظ رکھنے کی
فقط اَصنام، مانگ اور مدّعا کی چیز ہوتے ہیں

○

ہر سُہانا خیال، دَولت ہے!
سوچ، اِک لازوال دولت ہے!

میری پونجی ہے شعر اور چاہت
اِس کے مطلب کا مال، دَولت ہے

خشک کھیتوں کی جان ہے پانی
موسمِ برشگال، دَولت ہے

مری آغوش میں جس دم مرا دلدار ہوتا ہے
زمانہ بھی موافق کبریا بھی یار ہوتا ہے

آبروئے کمال، کچھ بھی نہیں
صرف کسبِ کمال دولت ہے

تیری تہمت ہی مجھکو مل جائے
تُو تو اک بے مثال دولت ہے

اس کے ہونٹوں پہ پان کی سرخی
ہائے کیا لال لال دولت ہے

مہنگے مہنگے نہ روگ پال عدمؔ
کیا تیرے پاس مال و دولت ہے؟

بلا محبوب کی آمد کے، اچھا ہی نہیں ہوتا
جو ہوتا ہے بڑی دانائی سے بیمار ہوتا ہے

محبّت کرنے والے آدمی کی یہ نشانی ہے!
مِری سرکار وُہ بے لَوث خدمتگار ہوتا ہے!

خدا کا شکر ناصح کو بھی اَب یہ بات سوجھی ہے
کہ عادت کو بدلنا واقعی دُشوار ہوتا ہے

سُنا ہے راکھ ہو جاتا ہے جل کر خود مغنّی بھی
نوا میں اُس کی جب سوز دروں بیدار ہوتا ہے

کوئی مہ وش کسی کی جاں طلب کرے اگر ہنس کر
تو وہ کیا جلد مرنے کے لئے تیار ہوتا ہے

ہو اِک ہمدرد بھی صادق قمر جیسا تو کافی ہے
ہُوا کیا گر زمانہ درپئے آزار ہوتا ہے

عدم کا کیا تعلق، مکر کی پرہیز گاری سے!
کہ وُہ تو سیدھا سادھا نیکدل میخوار ہوتا ہے!

گلی تیری جتنی قریب آئی ہے
خبر اپنے ہونے کی کم پائی ہے

محبت بھی کرتے ہو ڈرتے بھی ہو؟
محبت تو اک جشنِ رسوائی ہے

تری بھوں تلے کیا ہے رکھا ہوا؟
مرے دِل کی دھڑکن کی تنہائی ہے!

قیامت میں یہ چلبلاہٹ کہاں؟
کوئی اور شے تیری انگڑائی ہے

نگاہوں نے دِل کو سرِ رہگزر
کئی مرتبہ چوٹ کھلوائی ہے

جو ڈوبے نہ ہوں اُن کو کیا علم ہو؟
تری آنکھ میں کتنی گہرائی ہے

نظر تو نہیں کوئی آیا عدم
فقط ایک بجلی سی لہرائی ہے

○

○

ریاضِ خُلد کی موہوم تنویروں پہ مرتے ہیں
خدا کو پوجنے والے بھی تصویروں پہ مرتے ہیں!

یہ دُنیا سر پھرے دِل پھینک لوگوں کا اِدارہ ہے
کئی پریوں کے عاشق ہیں کئی پیروں پہ مَرتے ہیں

کبھی دو ٹوٹے پھوٹے حرف لکھ کر بھیج دو ہم کو
کہ ہم آشفتہ دِل بے رَبط تحریروں پہ مَرتے ہیں

جنُونِ خود فریبی ایک لا درماں اذیّت ہے
جو عزّت کے تمنّائی ہیں تشہیروں پہ مَرتے ہیں

ہماری خوش مذاقی کی ذرا سی داد تو دیجے
ہمیں محظوظ کرنے والی تقصیروں پہ مَرتے ہیں

میں جان و دِل کا نذرانہ لئے پھرتا رہا برسوں
مجھے کیا علم تھا، معشوق تقریروں پہ مرتے ہیں

عدم جو خواب ہے خود ایک دَولت ہے
نہ جانے لوگ کیوں خوابوں کی تعبیروں پہ مرتے ہیں

غمِ دوراں نے ہنس کر اِس ادا سے تیر مارا ہے
کہ شیشہ ریزہ ریزہ ہے، صُراحی پارا پارا ہے

توجُّہ کم ہی کر لیکن، توجہ کر بہر صُورت
ہمارا صرف تیری کم نگاہی پر گزارا ہے

کہیں تو مل ہی جائے گا تو اے محبوبِ شہزادے
کہ ہم نے پاؤں اپنا ہر جگہ جگ میں پسارا ہے

چمن کے حصے بخرے کرنے والے سینکڑوں گلچیں
مگر ہم جس میں بستے ہیں وہ بَن سارا ہمارا ہے

لگا ہے آج جو پتھر وُہ میری راحتِ جاں ہے
کہ مدّت بعد اک مہ وش نے اپنا قرض اتارا ہے

تمہارے ہاں بھی رہتا ہے میرا دل اور مرے ہاں بھی
یہ سپلائی خدا جانے مرا ہے یا تمہارا ہے

عدم موسم اچانک ہو گیا ہے کس قدر دلکش
کسی مٹیار نے شاید کہیں گیسو سنوارا ہے

○

جس جگہ دیکھو یہی اندھیر ہے
محنتانہ کم، مشقّت ڈھیر ہے

آپ سے صاحب سلامت ہو گئی
واقعی قسمت میں کوئی پھیر ہے

کوئی ڈولی ہے نہ پردے اور کہار
ہیر کی رخصت میں کتنی دیر ہے

ایک چرواہن کی معلومات میں
عشق بیلے کا گلابی بیر ہے

دوستی اس کے سوا کیا ہے عدمؔ
قیمتی رسوائیوں کا ڈھیر ہے

کون ویرانے میں بیٹھے گا پری خانے کے بعد
سچ کی تلخی ڈھانپ رکھ رنگین افسانے کے بعد

اتفاقاً ہو گیا تھا ایک ہمراہی سے پیار
عمر کا دُکھ لگ گیا اُس سے بچھڑ جانے کے بعد

منچلا پن کس کو کہتے ہیں، یہ خود ہی دیکھ لو
جل رہا ہے کس طرح پروانہ پر ولنے کے بعد

قاتلوں کے خُلق و ہمدردی کا ہے کوئی حساب؟
کس قدر فرحاں ہیں مقتولوں کو دفنانے کے بعد

مجھ کو اس بارے میں کچھ کہنے کی ہے کیا احتیاج
خود سمجھ جائے گا ناصح مجھ کو سمجھانے کے بعد

شاید اک یہ بھی محبّت کا اٹل قانون ہے!
دشمنی شدّت سے ہو جاتی ہے یارانے کے بعد

بال اکٹھے کس لئے کرتے ہو اس محنت سے تم
زلف تو پوری سنورتی ہے بکھر جانے کے بعد

مجھ پہ اتنا تو نہیں، اس شخص کا غم ہے محیط
جس کا گھر لوٹے گا رہزن میرے کاشانے کے بعد

اُس درندوں کے جہاں میں ترکِ مے نوشی عدمؔ
سوچ لو کیا حال ہوگا ہوش میں آنے کے بعد

○

اتنی الفت اس قدر یک جانیاں؟
کر رہے ہو ہم سے، رُوگردانیاں

دوستی کا تجربہ، مت کیجئے!
دینی پڑتی ہیں بڑی قربانیاں

اُن کو طوفاں کیا کریں گے بدحواس؟
جن کی روزی ہوں سفینہ رانیاں

آپ نے پتھر اگر پھینکا تو کیا؟
مہرباں کرتے ہیں سنگ افشانیاں

عقل کتنی قیمتی شے، کیوں نہ ہو
زندگی کی جان ہیں نادانیاں!

پھل ہیں وُہ مشکل پسندی کا عدمؔ
لوگ کہتے ہیں جنہیں، آسانیاں

○

بڑی دانشوری سے جب کوئی تقصیر کرتا ہوں
تو اک جھوٹی تسلّی کا محل تعمیر کرتا ہوں

محبّت جُرم تو میرا ہے، لیکن مَیں اُسے قصداً
تری آنکھوں کی بے پروائی سے تعبیر کرتا ہوں

خلوصِ ظاہری بھی اہلِ دُنیا سے غنیمت ہے
فریبِ دوستی کی بھی بڑی توقیر کرتا ہُوں!

دِکھاوے کے لئے بھی تم اگر ہمدرد بن جاؤ
تو میں جینے کی پھر تھوڑی بہت تدبیر کرتا ہُوں

مجھے یارب ترے مبہم خطوط اچھے نہیں لگتے
میں تیری سادہ سادہ مورتیں تعمیر کرتا ہوں

مکاتیبِ محبّت کی کشش ساری اسی میں ہے
وہ کچھ تحریر کرتے ہیں، میں کچھ تحریر کرتا ہوں

چبھو کر پھول میں خنجر اگر لا دے عدم کوئی
تو میں کچھ دوستوں کے خُلق کی تفسیر کرتا ہوں

دِلبری، دام ہے محبّت کا
رہزنی، کام ہے محبّت کا

زندگی کو نہ تلخ کر لینا!
نام ہی نام ہے محبّت کا

اور کوئی خطا نہیں میری
مجھ پہ الزام ہے محبّت کا

بن گئیں دو جُدا جُدا قبریں
کیا یہ انجام ہے محبّت کا

زخم جاگیر ہے جوانی کی
چوٹ انعام ہے محبّت کا

حُسن دُھن پر فریفتہ ہے عدمؔ
یہ تو نیلام ہے محبّت کا

جن سے لوگوں کو کام ہوتے ہیں
ان کو کتنے سلام ہوتے ہیں

اس گھڑی کیا خدا کی یاد آئے
آپ جب ہمکلام ہوتے ہیں

عنبریں کاکلیں حسیں آنچل
کتنے مضبوط دام ہوتے ہیں

ایک مرقد پہ ایک شیش محل
یہ وقوعے تو عام ہوتے ہیں

ہاتھ اٹھانے کا جب نہ ہو موقع!
پھر بھنوؤں سے سلام ہوتے ہیں

صرف باتوں سے کچھ نہیں ہوتا
کام کرنے سے کام ہوتے ہیں

ان کی آنکھیں ہیں ہُو بہُو ایسی
جیسے لبریز جام ہوتے ہیں

ہم کو جب مَے کی ہو عدم خواہش
خود بخود اِنتظام ہوتے ہیں

○

کم نہیں کرتے وہ اپنے لطف کی بہتات کو
مسکرا کر ٹال دیتے ہیں مری ہر بات کو

اس سے بڑھ کر اور ہو سکتی ہے کیا سچّی نماز
دردِ دل بیدار کر دیتا ہے، پچھلی رات کو

دوستی میں جان و دِل کا خرچ بھی ہے ناگزیر
سوچ لو، برداشت کر لوگے' اِن اخراجات کو!

آپ کو مجھ سے محبّت ہے، وگرنہ ایک ڈن
آپ کے سینے میں رکھ دوں اپنے احساسات کو

مجھ کو بے اُجرت فدا ہونے کا چسکا ڈال کر
آپ نے کتنا سراہا ہے، مری خدمات کو

صورتِ حالات خود ہی کچھ کرے اپنا علاج:
میں کروں کیوں تنگ ناحق صورتِ حالات کو

آنکھ جب برسی تو برسے گی چھما چھم اے عدمؔ
کون روکے گا بھلا اُمڈی ہوئی برسات کو

○

جب غمِ دوراں ہمارے گھر سرِ شام آگیا
عرش سے جبریل چھلکاتا ہوا جام آگیا

دِل کی کیفیت چھپائے سے بھی چھپتی ہے کبھی!
تو نے کچھ پُوچھا مِرے لب پر تیرا نام آگیا

ہوش میں رہنا تو کچھ مشکل نہیں، لیکن اگر
باوجُود اِس کے بھی مدہوشی کا الزام آگیا

احتیاطوں کی فراوانی بھی ہے کیا حادثہ
جس قدر بچنے کی کوشش کی تہِ دام آگیا

ڈھو کے سب خوشبو چمن سے لے گئی بادِ صبا
جب کسی معشوق کی کاکل کا پیغام آگیا

رات میخانے کا دروازہ اگرچہ بند تھا
پھر بھی اک رَوزن سے میرے بخت کا جام آگیا

عاشقِ مولا تو سب بے جان پتھر ہیں عدمؔ
آدمی وُہ جو کسی مظلوم کے کام آگیا

فریبِ دوستی تو کھا گیا ہوں
مگر کچھ تیرے نزدیک آ گیا ہوں

سخن میں تو نہ تھا ابہام کوئی
میں تعظیماً غلط سمجھا گیا ہوں

تم اپنے جھوٹ کو نادم نہ کرنا
میں اپنے صدق سے شرما گیا ہوں

بُرونِ آئینہ وُہ خود کھڑے ہیں
درونِ آئینہ میں آ گیا ہوں

فقیہہِ شہر کی تقریر سُن کر
بڑی تعظیم سے غش کھا گیا ہوں

مجھے توبہ سے نفرت ہو گئی ہے
کہ بالکل پارسا سمجھا گیا ہوں

عدمؔ وُہ جرم میں لکھ لی گئی ہے
کوئی نیکی اگر دُہرا گیا ہوں

گھنیری زلف والے آ گئے ہیں
اندھیرے اور اُجالے آ گئے ہیں

دریچے کھُل گئے ہیں رحمتوں کے
کہ گردش میں پیالے آ گئے ہیں

بُلاؤ اُجلے اُجلے دلبروں کو
کہ بادل کالے کالے آ گئے ہیں

پتا تو کر ذرا پیرِ مغاں سے
ہمارے ساتھ والے آ گئے ہیں؟

لچکتی گردنوں میں ماہ پیکر!
دلوں کے ہار ڈالے آ گئے ہیں

میں سمجھا تھا نشے میں غرق ہوں گے
وُہ آنچل کو سنبھالے آ گئے ہیں!

کوئی رنگین قبا جب بھی ملی ہے
اُمنگوں میں اُچھالے آ گئے ہیں

عدؔم اُن کی بھنوؤں سے مانگ لو کچھ
ستارے پڑھنے والے آ گئے ہیں!

○

ایسا ستم ظریف معلّم وہ کون تھا؟
جس نے تجھے یہ خوئے تغافل سکھائی ہے

اے مالکِ جہاں یہ معمّہ نہ حل ہوا
رہتے ہیں ہم جہاں وہاں کس کی خدائی ہے

اس نے مرے مَرَض کو سمجھنے کے واسطے
پنچایتِ عاشقانِ کُہن کی بُلائی ہے!

بیٹھی ہے دل میں چھپ کے مرے عمرِ جاوداں
کیسے پُراَمن دشت میں دم لینے آئی ہے

یزداں کے سامنے یہ تکلّف نہیں کیا
انساں کی بارگاہ میں گردن جھکائی ہے!

اپنے نقوشِ جسم پر اتنا نہ کر غرور!
یہ خوش خطی تو میرے خدا کی لکھائی ہے!

اک سادہ لوح سے کوئی کرتا ہے اس طرح
تم نے ضرور مجھ کو کوئی شے پلائی ہے!

جو میری لوحِ دل پہ عدم ہے بنی ہوئی
وہ شکل اس حسین نے کہاں سے چرائی ہے؟

ظالم نے کیا یتیم سی صورت بنائی ہے
اس بھیس میں فریب کوئی انتہائی ہے

ہے سرپھروں کا کام یہ خوشیاں بکھیرنا
کہتے ہیں جس کو عشق وہ اک جگ ہنسائی ہے

رگ رگ میں میری دوڑتی پھرتی ہے روشنی
جب سے تری کلائی مرے ہاتھ آئی ہے

رہنے دے بوئے زلف کو میرے حواس میں
امراضِ عشق کی، یہ مکمل دوائی ہے

عیسےٰ نے اور شے تو نہیں دی کوئی مجھے
اُس نے بھی تیری زلف کی خوشبو سنگھائی ہے

رات اک میٹھا خواب ہوتی ہے
صبح کتنی شتاب ہوتی ہے!

اس پہ فرزانگی کے بند نہ باندھ
زندگی اک چناب ہوتی ہے

مے کی صرف اک صفت ہی کافی ہے
غم رُبا بے حساب ہوتی ہے

اس کے مکھڑے سی دلفریب کہاں
اور کوئی کتاب ہوتی ہے!

معنی بے شک نہ ہوں کوئی لیکن
بات کیا لاجواب ہوتی ہے!

کاکُلِ یار کی ہوا ہی عدمؔ
قاتلِ آفتاب ہوتی ہے

میں تیری کاکلوں کا وہ خوش دل اسیر ہوں
پھولوں کے جنگلوں میں سکونت پذیر ہوں

سُن سُن کے کوہکن کی تباہی کے واقعات
ہر زلف کہہ رہی ہے کہ میں جوئے شیر ہوں

رُتبہ مِلا ہے جس میں تجھے بادشاہ کا
میں بھی تو اس ڈرامے میں تیرا وزیر ہوں

ہے تیرے گرد میری دُعاؤں کا دائرہ
میں تیری عافیت کی مبارک لکیر ہوں

ہر شے سے تیرے پاؤں زیادہ حسین ہیں
کِس سے انہیں سجاؤں میں بالکل فقیر ہوں

مانگے کی روشنی تو ملامت ہے اَے عدمؔ
میں اپنی گمرہی سے ہدایت پذیر ہوں

یکدم تعلقات کہاں تک پہنچ گئے
اُس کے نشانِ پا مِری جاں تک پہنچ گئے

آخر ہمارے عجز نے پگھلا دیا اُنہیں
اِنکار کرتے کرتے وہ ہاں تک پہنچ گئے

گو راہ میں خُدا نے بھی روکا کئی جگہ
ہم پھر بھی اُس حسیں کے مکاں تک پہنچ گئے

ہم چلتے چلتے راہِ حَرم پر خدا خبر
کِس راستے سے کوئے مغاں تک پہنچ گئے

اُن کی نظر اُٹھی نہ میرے ہونٹ وا ہوئے
پھر بھی دلوں کے حال بیاں تک پہنچ گئے

جی ہارنا سفر کی شریعت نہیں عدمؔ
چلتے رہیں ضرور جہاں تک پہنچ گئے

حقائق کی کدورت کو مٹانے
محبّت گھڑتی رہتی ہے فسانے

تعلّق دیرپا رکھنے کی خاطر
توجّہ کی نہ کھُل کر دِلرُبا نے

نئی دلچسپیاں تخلیق کر کے
بھُلا دیتی ہے دُنیا غم پُرانے

جواں زلفوں کی زنجیروں سے بچ کر
کدھر جائے گا او اُڑتے زمانے

نئے یاروں کے بدلے مجھکو لادو
معزّز بے ضرر دشمن پُرانے

مری آنکھیں بہت دُھندلا گئی تھیں
اُجالا کر دیا تیری قبا نے

مسیح و خضر کو چُپکے سے کہہ دو
دھری ہے زندگی میرے سرہانے

عدمؔ اسکو بھی کیا تکلیف دینا
خدا بھی کیا خبر جانے نہ جانے

رحمتیں نازل ہوئیں جام و شراب آنے لگے
لے کے وہ میرے سوالوں کا جواب آنے لگے

اُن کی آنکھوں سے زیادہ کون ہے توبہ شکن؟
کیا کروں میں جب پِلا مانگے شراب آنے لگے!

فرق ہی ذرّے کا اور سورج کا غائب ہو گیا
ذرّے یوں کرنے طوافِ آفتاب آنے لگے

شمس سازی کا کیا اعلان جب ذرّات نے
اُن کی صورت دیکھنے کو آفتاب آنے لگے

جب جواں کاکل کوئی بکھری اندھیری رات میں
سجدہ کرنے کو ہزاروں ماہتاب آنے لگے

میں نے جب ساغر کو چھلکایا تو پھول اڑنے لگے
تم نے جب زلفوں کو بکھرایا سحاب آنے لگے

جان جو بھی فدائی دیتا ہے
وُہ تری منہ دکھائی دیتا ہے

تو میری سمت دیکھتا ہے جب
تجھ کو نغمہ سُنائی دیتا ہے

کاکلیں جب بکھیرتا ہے تُو
موسمِ گُل دُہائی دیتا ہے

موسمِ گُل ترے سرہانے کا
بیل بُوٹا دِکھائی دیتا ہے

کتنا جھُوٹا بھی ہو ترا وعدہ
رنگ کتنا حِنائی دیتا ہے

وُہ نشے میں بھی میرے ہاتھوں کو
کب کمر تک رسائی دیتا ہے

آپ کرتے ہی جائیے باتیں
مجھ کو اونچا سُنائی دیتا ہے!

مَیں تو کہہ دُوں گا ہوش میں ہوں میں
آپ کو کیا دکھائی دیتا ہے؟

مَیں تری قید میں بہت خوش ہوں
تُو مجھے کیوں رہائی دیتا ہے؟

میری سادہ دِلی پہ مت جانا
مجھ کو سب کچھ سُجھائی دیتا ہے

صرف مِلتا نہیں عدمؔ وُہ مجھے
ویسے ہر سُو دکھائی دیتا ہے

ندیاں سر پٹک رہی ہوں گی
آپ کی راہ تک رہی ہوں گی

سوچتا ہوں مری غلط باتیں!
تم کو کتنی کھٹک رہی ہوں گی

چاند سُورج تو ڈوب جائیں گے
تیری زلفیں دمک رہی ہوں گی

دِل کے آنگن میں کیا اُجالا ہے
چھوٹی آسیں چمک رہی ہوں گی

تم کو رستے میں دیر کیسے لگی
میری آنکھیں بھٹک رہی ہوں گی

کر ہی آؤ عدم سے دو باتیں
اُس کی سانسیں اٹک رہی ہوں گی

○

اس کے قدموں کی چاپ آتی ہے
زندگی چل کے آپ آتی ہے

اُف ترے پیرہن کے اُڑنے سے
لوحِ دِل پر جو چھاپ آتی ہے

مجھ پہ گانے کا موڈ ہے طاری
تم کو طبلے کی تھاپ آتی ہے

مدّعا جستجو کا کیا ہو گا؟
یونہی سڑکوں کو ناپ آتی ہے!

آنکھ اس طرح جھینپتی ہے عدمؔ
جس طرح گر کے بھاپ آتی ہے

جب سے کھولا اس پری نے دلنوازی کا سکول
روشنی کا ہم بھی کرنے اکتساب آنے لگے

اے خدا صبحِ قیامت تک نہ ہو یہ رات ختم
وہ مرے زانو پہ ہونے محوِ خواب آنے لگے

کب سے خوابیدہ ہیں کارندے ترے مولا کریم
اب تو لوگوں کی دعاؤں کا جواب آنے لگے

آ رہے ہیں آج بن ٹھن کر وہ یوں میری طرف
جیسے طالب علم کو ملنے کتاب آنے لگے !

تم تو شب بھر رہا کرتے تھے گم گھر سے عدم
اب یکایک ہوش میں کیسے جناب آنے لگے

بے رحم حادثات کا مارا ہُوا ہوں میں
ناشاد موسموں کا نکھارا ہُوا ہوں مَیں

احباب کی جفائیں تو زخمی نہ کر سکیں
احباب کے خلوص کا مارا ہُوا ہُوں میں

شامل ہُوں کھیل میں تری تفریح کے لئے
بازی تو کتنی دیر سے ہارا ہُوا ہوں میں!

برہم کرے گا کیا غمِ دَوراں مرا مزاج
اُس زلفِ عنبریں کا سنوارا ہُوا ہوں میں

جاتا ہوں ہر صدا کے تعاقب میں دور تک
کِس یارِ گمشدہ کا پکارا ہُوا ہوں میں!

اب میں کسی بھی جُرم سے ٹلتا نہیں عدمؔ
اِک ایسے گلبدن کا ابھارا ہُوا ہوں میں

ڈھل کر وہی نکلتی ہے خیر و فساد میں
جو شے رچی ہوئی ہے کسی کے نہاد میں

صدہا نشیمنوں کے اُجڑنے کے واقعات
ہوتے ہیں بند حافظۂ برق و باد میں

ہے کس کی روشنی سے منوّر مرا یقیں؟
خود دیکھ لو اتر کے مرے اعتماد میں

مالی تری اُمّید کے بُوٹے ہیں زرد کیوں؟
ڈالی تھی کوئی سُرخ مہُورت بھی کھاد میں؟

دن بھر جو گاؤں میں نہ ملاقات کر سکیں
ملتے ہیں کس تپاک سے شب کو کماد میں!

نکلے ہیں جب سے خُلد کو ٹھکرا کے ہم عدم
سب عمر کٹ گئی ہے فلاح العباد میں

○

میں جب بھی حد سے زیادہ اداس ہوتا ہوں
ترے قریب ترے آس پاس ہوتا ہوں

کوئی قصور ہو سرزد تو بخش دیجئے گا
میں عام طور پہ کچھ بدحواس ہوتا ہوں

میں اپنے پاس ٹھہرنے کا تو نہیں عادی
مگر یہ علم نہیں کس کے پاس ہوتا ہوں

اگرچہ خندہ مزاجی سرشت ہے میری
کبھی کبھی تو خوشی سے اداس ہوتا ہوں

عدمؔ یہ رُت نہیں پابندِ ہوش رہنے کی
بہار میں میں دریدہ لباس ہوتا ہوں

پھولوں کے پیرہن پہ بھی، قبضہ ہے نار کا
اتنا حسین تو نہیں موسم بہار کا

مکر و ریا کی ساری صفیں ڈوب جائینگی
ساغر چھلک گیا جو کسی میگسار کا

ہوتی طلوعِ حشر کی کیسے مجھے خبر؟
میں لطف لے رہا تھا ترے انتظار کا

جب تک تفکرات سے خالی ہے زندگی
نغمہ ہے اِک تھرکتی ہوئی جوئبار کا

ہے گرچہ سخت تیز غمِ زندگی کی لُو
سایہ بہت وسیع ہے دامانِ یار کا

آتی نہیں نظر وہ پریشان زلف جب
مفہوم بھول جاتا ہے مجھکو قرار کا

کیا قیمتی ہیں اسکی ہنسی کھیل کے یہ دِن
چسکا پڑے خدا نہ کرے اُسکو پیار کا

اُس کی قبا کو جب مرے ہونٹوں نے مس کیا
معراج پر پہنچ گیا موسم بہار کا

ناوکؔ کی اِس ضمن میں ضرورت جسے پڑی
ماہر نہیں عدمؔ وُہ پری وش شکار کا

○

میرے زانو پہ ہو تیرا سر کھلا
اور رہے بابِ ارم شب بھر کھُلا

اِس طرح مسجد سے غائب ہے خُدا
چھوڑ جائے جیسے کوئی گھر کھُلا

جسم سے جیسے چمٹتی ہے قبا
پی پلا کر مجھ سے یوں دلبر کھلا

میرے گھر دشمن کی محبوبہ کا خط؟
رکھ گیا قاصد کہاں خنجر کھلا!

کیسا زرّیں موقع زائل ہو گیا
بعد موقع کے ہی یہ، اکثر کھلا

سب جہاں بیمار بن کر آ گیا
دل کے تابوں کا جب دفتر کھلا

جانے کب جاڑے میں آ نکلے عدم!
رات بھر رہنے دو اپنا گھر کھلا

رِند ہُوں میرا احترام کرو!
حُسن والو اُٹھو سلام کرو!

ناموافق ہے بارِ آزادی
زلف والو اسیرِ دام کرو

پہلا دِن ہے بہار کی رُت ہے
کچھ تو رسموں کا اِحترام کرو

قاتلوں کی طرح نہ پیش آؤ
دلبروں کی طرح کلام کرو

جِن سے ہم کو بھی فائدہ ہو کچھ
آج ایسے سعید کام کرو

دوسروں کے مفاد کی خاطر
اپنی آسائشیں حرام کرو

دِل ہے نادار تو غنی نہ بنو
دِل غنی ہے تو فیضِ عام کرو

قتل کی دھمکیاں نہ دو خالی
قتل کرنے کا انتظام کرو

رنگ دونوں کا اُڑ رہا ہے عدمؔ
دِین و دنیا کو غرقِ جام کرو

○

عقل مندی ہے کہ نادانی ہے تُو
جس قبا میں بھی ہے لاثانی ہے تُو

بچپنے کے نور کا مُورت بھوَن
سادگی کے حُسن کی رانی ہے تُو

اِس جگہ پہنچے گی کیا روحانیت؟
انتہائے حُسنِ جسمانی ہے تُو

ڈُوب جائے جس میں یزداں آپ بھی
دِلفریبی کی وُہ طغیانی ہے تُو

ہے محبّت بھی کوئی قیمت تری؛
کتنی سادہ اور دیوانی ہے تُو

اَور بھی کیا کچھ ہے لیکن کم سے کم
رنگ ہے خوشبو ہے تابانی ہے تُو

کچھ تو آیا ہے نظر تجھ میں اُسے!
کیوں عدمؔ کہتا ہے لافانی ہے تُو

○

کتنے آنسوں کے خون ہونے ہیں
کیا خبر کتنے یار کھونے ہیں!

اتنا کیوں بھاگتے ہو کانٹوں سے
دیر پا تو یہی بچھونے ہیں

آپ نے بے رخی کی برچھی میں!
اور ابھی کتنے دِل پرونے ہیں!

جھوٹے وعدوں کو منہدم نہ کرو
یہ بڑے قیمتی کھلونے ہیں!

مے کے دو چار حوض بھر لاؤ
دل کے دو چار داغ دھونے ہیں

جانے کب تک عدم، بلا اجرت
مہ جبینوں کے ناز ڈھونے ہیں!

احسان کر، ثواب کما، دِل لُبھائے جا
چُپکے سے کام کاج ہمارے چلائے جا

کچھُ دے نہ دے مگر مری اُمّید سبز رکھ
مجھ کو اسی ادا سے تونگر بنائے جا

اے نازنیں یہ لُوٹ کا ساماں نہیں مگر
تُو میرے دِل پہ اپنا تسلّط جمائے جا

پھُولوں کی رُت پہ اب نہ کبھی آئے گی خزاں
اے پیکرِ جمال یونہی مُسکرائے جا

پیارے ترے جمال کی گاگر بھری رہے
امرت کے چند گھونٹ ہمیں بھی پلائے جا

ہے تجھ سے مِلتا جُلتا ہمارا بھی ایک یار
اے جانے والے نام تو اپنا بتائے جا

سُود و زیاں کو آفتِ جاں مت بنا عدمؔ
گر فائدہ نہیں تو خسارہ اُٹھائے جا

○

جہاں میں یوں تو کہاں کثرتِ جمال نہیں؛
مگر جو آپ ہیں اس کی کوئی مثال نہیں

تمہارے اور مرے گھر میں فرق ہے کوئی؛
یہیں قیام کرو جی اگر ملال نہیں؛

ٹھہر گیا ہے تو میرے شعور میں کھُب کر!
یہ وہ جگہ ہے جہاں حُسن کو زوال نہیں

مری حیات کا اِک جُزوِ لازمی ہو تم
یہ ایک تلخ حقیقت ہے احتمال نہیں

میں مر گیا تو بلا اس کی تم پہ آئے گی
حضورؐ عشقِ حقیقی ہے کوئی چال نہیں

مجھے تو تُو مری ایجادِ عشق لگتا ہے!
تو خود وثوق سے کہہ دے تو میرا مال نہیں؟

عدمؔ ادا ہی تو دولت ہے مہ جبینوں کی
جو بے رُخی نہ کرے وہ پری جمال نہیں

○

پری زادو مرے دِل کی دُعا لو
اسے چاکِ گریباں میں سجا لو

جلانا چاہتے ہو دشمنوں کو
تو ہم کو، اپنے پہلو میں بٹھا لو

تپش سُورج کی زائل ہو گئی ہے
جزاک اللہ گھنیری زلف والو!

جوانی کا نشہ رُسوا نہ کر دے
مری سرکار آنچل تو سنبھالو

زمانہ ایسے موقعے ڈھونڈتا ہے
کسی پر بے جھجک نظریں نہ ڈالو

تبسّم میں بڑے خطرے ہیں پنہاں
غلط فہمی میں لوگوں کو نہ ڈالو!

عدم کب تک کروگے ظلم دل پر
کسی کو بڑھ کے سینے سے لگا لو

ملی ہے تیری نظر ترکِ اعتبار کے بعد
کھلے ہیں پھول مگر موسمِ بہار کے بعد

ہیں نام دو ہی دلِ آرام و دل نشیں لیکن
خدا کا نام میں لیتا ہوں اسمِ یار کے بعد

ترے ملاپ کی یہ آخری تسلّی تھی
اب اور کیا ہے قیامت کے انتظار کے بعد

حقیقتوں سے کہاں تک گریز ممکن ہے
خزاں بہار سے پہلے خزاں بہار کے بعد

گئے ہیں ہم بھی گلستاں میں بارہا لیکن
کبھی بہار سے پہلے کبھی بہار کے بعد

وہ چیز کتنی عجیب و غریب لگتی ہے
جو ہاتھ آتی ہے مدّت کے انتظار کے بعد

عدمؔ سحر کو پتنگوں کی راکھ کہتی ہے!
یہ حال ہوتا ہے زہرہ وشوں کے پیار کے بعد

کچھ بتاؤ جناب کیا ہو گا
چارۂ اضطراب کیا ہو گا

کوئی بجلی کوئی جواں صورت
اور زیرِ نقاب کیا ہو گا!

خود نمائی ہے حُسن کا مذہب
مہ وشوں سے حجاب کیا ہو گا

آدمیّت کی مشق کر زاہد!
بندگی میں ثواب کیا ہو گا

میں بھی مشتاق ہوں توجّہ کا
میری بابت جناب کیا ہو گا

داورِ حشر سے نپٹا تو کرو
اہتمامِ شراب کیا ہو گا؟

○

تم بھی گھبرا کے بن گئے صوفی
اَور عدمؔ انقلاب کیا ہو گا؟

○

یوں اِک جستجو میں مَیں دیوانہ بن گیا
کعبے میں پاؤں رکھا تو بُت خانہ بن گیا

جو شخص حد سے بڑھ کے تھا محتاط و باخرد
وہ بالضرور بعد میں دیوانہ بن گیا

در اصل بات تھی کوئی قطعاً نہ ہے کوئی
خوبی کی بات یہ ہے کہ افسانہ بن گیا

جو سوچتا رہا نہ ہوا واصلِ مراد
جو بڑھ کے جل گیا وہی پروانہ بن گیا

اُمّید کا فریب وُہ باغِ بہشت تھا
روزانہ تلف ہو گیا روزانہ بن گیا

دو دن میں دل نے کتنے تغیّر کیے پسند
پہلے چمن تھا بعد میں ویرانہ بن گیا

اس کی نگاہ جھینپ کے گُلرنگ ہو گئی
میرا شعور جھوم کے مے خانہ بن گیا!

تھی بات اثر پذیری کی اور رُت کی سب عدم
اک بچ گیا تو دوسرا دیوانہ بن گیا!

○

بے وفا زندگی بڑی شے ہے
یہ حسیں خودکشی بڑی شے ہے

سچ میں بھی کوئی حُسن ہو شاید
جھوٹ کی دِلکشی بڑی شے ہے

کتنی دانائیاں بھی جمع کریں
پھر بھی دیوانگی بڑی شے ہے

باغِ جنت میں کیا دھرا ہو گا
تیری ہمسائیگی بڑی شے ہے

دوست کتنے بھی خودغرض ہوں عدمؔ
رشتۂ دوستی بڑی شے ہے

○

مُنہ نہ موڑو کہ پیار کی رُت ہے
بندہ پرور بہار کی رُت ہے

حسن مامور ہے، تواضع پر
عشق کے اقتدار کی رُت ہے

لغزشیں حُسن ہیں جوانی کا !
یہ غلط کاروبار کی رُت ہے!

حشر سے اس قدر نہ دل خوش کر
وہ بھی اک انتظار کی رُت ہے

عاشقوں کا عدم خُدا حافظ !
دِلبروں کے سنگار کی رُت ہے

یہ کرم کب رقیب کرتے ہیں
یار ماری حبیب کرتے ہیں

تجربہ تو یہی بتاتا ہے
نیکیاں بد نصیب کرتے ہیں

یہ ضروری نہیں مرض ہو بھی
اسکو پیدا طبیب کرتے ہیں

دل بھی بھنورا دکھائی دیتا ہے
جب وہ آنچل قریب کرتے ہیں

ایسی اَنہونی باؤلی باتیں !
آپ باتیں عجیب کرتے ہیں

سینہ کاوی عدم برائے عوام
زخم خوردہ ادیب کرتے ہیں

دل کو دیتا ہو گا ڈھارس قیس کس تدبیر سے
میں تو کر لیتا ہوں باتیں آپ کی تصویر سے

قتل کر لینا مری سرکار مجھ کو پھر کبھی
بل نہ پڑ جائے کلائی میں کہیں شمشیر سے

بھاگنا خوشیوں کے پیچھے اس طرح ہے جس طرح
دل لگانا اک حسین اور اجنبی رہگیر سے

کیسی کیسی خوبصورت گالیاں ہیں یاد اسے
پیش آتا ہے وہ کہیں بے ساختہ تقریر سے

غم ترا بانٹیں نہ بانٹیں دوست لیکن اے عدم
خوش تو کر جاتے ہیں تجھکو چٹپٹی تقریر سے

○

چھیڑ کر تجھ کو بدزباں نہ کروں؛
کیا ذرا دِل کو شادماں نہ کروں؟

تجھ سے حاصل تو کیا مجھے ہو گا؛
وقت ہی تیرا رائگاں نہ کروں

نِکمّی رہے تو آفت ہے؛
عقل کو دِل کا پاسباں نہ کروں

تو اگر جان بخش دے میری
کچھ تری خوبیاں بیاں نہ کروں

تیری نشو و نما ہے کچھ مدّھم
کیا تجھے اَور بھی جواں نہ کروں

وُہ مجھے خوُب آزما بیٹھا!
میں بھی کچھ اس کا امتحاں نہ کروں؟

پیار کتنی عجیب شے ہے عدؔم!
کیا اِسے دشمنی گماں نہ کروں

○

مار کر اجرت جو ماریں گھوُریاں!
مِل گئیں سَب کو کھری مزدوریاں؛

سیدھی سیدھی صاف ستھری بات ہے!
ڈٹ کے کر مزدوُریاں کھا چوُریاں

آدمی آزاد ہے قیدی نہیں!
اس کی فطرت میں ہیں بے دستوریاں

میں بھی ہوں سرکار کا خدمت گزار
ہوں مری بھی خواہشیں کچھ پوریاں

آپ یوں رچ بس گئے ہیں دھیان میں
اب نہیں برداشت ہوتیں، دوریاں

میرے منصوبے تو سب تیار ہیں
چاہئیں صرف آپ کی منظوریاں

بن گئی ہیں کس غضب کی تیغ عدم
ڈال کر رخ پر وہ اپنے تیوریاں

باتوں پہ بھی قربان ہیں گھاتوں پہ بھی واری ہیں
ہم تیری محبّت کے مجذُوب پہ بچاری ہیں

شاہوں کے دواروں میں کیا ڈھونڈتا پھرتا ہے؟
یہ لوگ تو اے پاگل خود آپ بھکاری ہیں

یونہی تو نہیں بھیڑیں بُت خانہ و کعبہ میں
ان دونوں مکانوں میں باتیں تری جاری ہیں

منزل پہ پہنچنے کا کھٹکا ہی نہیں کوئی!
رُہبر بھی لٹیرے ہیں، رُہزن بھی شکاری ہیں

ہونٹوں پہ عدمؔ اُن کے بوندیں ہیں جو امرت کی
محسوس یہ ہوتا ہے، کچھ ان میں ہماری ہیں

دِلربائی میں جو تلوار بھی بن سکتے ہیں
کیا کسی ڈھب سے وُہ دلدار بھی بن سکتے ہیں؟

گیسُوئے یار کو منظور نہیں یہ صوُرت!
وَرنہ برسات کے آثار بھی بن سکتے ہیں

موج آجائے نسنئے میں کسی پائل کو اگر
حادثے ساز کی جھنکار بھی بن سکتے ہیں

دوست اَور تیرا بھلا چاہیں وُہ باہوش کبھی
اس قدر ظالم و خونخوار بھی بن سکتے ہیں

پارساؤں کے خد و خال سے گمراہ نہو!
صاحبِ ذوق ہیں میخوار بھی بن سکتے ہیں

رحم کھا کر تُو چلا آئے عیادت کو تو ہم!
اس خوشی کے لئے بیمار بھی بن سکتے ہیں

ہم جو جیتے ہیں فقط رس بھرے دھوکوں کے طفیل
ہم کبھی زیرک و ہشیار بھی بن سکتے ہیں؟

رُت بدلتے ہوئے مدّت نہیں لگتی اتنی!
آپ تھوڑے سے رُوادار بھی بن سکتے ہیں

ایسے الفاظ میں کرتے ہیں وہ اقرار کہ جو
بڑی آسانی سے انکار بھی بن سکتے ہیں

اب تو یزداں بھی تجھے دیکھے تو پہروں سوچے
کیا کہیں یہ لب و رخسار بھی بن سکتے ہیں

تو مرے گھر میں اگر آئے تو جنّت کیا ہے
اس سے بہتر در و دیوار بھی بن سکتے ہیں

ہم کو رغبت ہی نہیں خلق فریبی سے عدمؔ
ورنہ ہم صاحبِ اسرار بھی بن سکتے ہیں

آپ خوش شکل ہیں اِک یہ بڑی دُشواری ہے
کیونکہ تھوڑی سی مجھے عشق کی بیماری ہے

احمریں ہونٹ، سیہ بال، نشہ بخش بدن
یہ کوئی خواب ہے یا عالمِ بیداری ہے؟

ہر حسیں چیز پہ گرتی ہے نظر غش کھا کر
جیب میں مال نہیں شوقِ خریداری ہے

جن بزرگوں سے بھی کرتا ہوں میں سچّی باتیں
وُہ سمجھتے ہیں مجھے عادتِ مے خواری ہے

ہم اگر مرتے ہیں تم پر تو غلط مت سمجھو!
اتنا سوچو کہ ہمیں کون سی لاچاری ہے

کوئی اخلاص غرض سے نہیں خالی ہوتا !
میں تو کہتا ہوں محبّت بھی ریاکاری ہے

داورِ حشر کا قانون نیا کیا ہوگا؟
ہر طرف اپنے ہی بندوں کی طرفداری ہے

عقل ہر بار سزا سے ہے فرار آمادہ
عشق ہر مرتبہ کہتا ہے مری باری ہے!

مے، نہ مہتاب، نہ پازیب کی آواز عدمؔ
آج کی رات بلا ریب بہت بھاری ہے

○

○

جمع ہوں جب مالنوں کی ٹولیاں
ہم بھی پھولوں سے بھریں گے جھولیاں

اُف، جوانی کی امنگوں کا ہجوم!
جیسے الھڑ دلہنوں کی ڈولیاں

دیکھ کر لب تیرے زخمی ہو گئیں
پنچھیوں کی میٹھی میٹھی بولیاں

زہر دینا تھا تو پہلے آپ نے
رُوح میں شیرینیاں کیوں گھولیاں؟

گر گیا غش کھا کے مدہوشی سے میں
اس نے باہیں پیار سے جب کھولیاں

تیری صورت کس قدر کم گو بھی ہو!
تیری آنکھیں ہیں بڑی بڑبولیاں

عمر بھر کے پیار کا بدلا فراق!
تو نے میری خدمتیں کم تولیاں

آشنا ہیں تیرے میرے راز سے
تیری سب پنہاریاں اور گولیاں

تجھ کو بھی مل جائے گا دلبر عدمؔ
داتا بھر دیتا ہے سب کی جھولیاں

کہتے ہیں جس کو امن وہ شر کا وجود تھا
جب تک فساد بند تھا بالکل جمود تھا

آزادیٔ ضمیر کا جھگڑا نیا نہیں
روزِ ازل بھی کوئی حریفِ سجود تھا

آواز پختہ ہو کے ہی بنتی ہے جانگداز
نوحہ کچھ اور چیز نہیں تھا سرود تھا

جس نے مری فلاح کا رکھا بہت خیال
میرا خیال ہے وہ گروہِ حسود تھا

کلیوں نے پھول بننے سے انکار کر دیا
پھولوں کے پاس صرفِ فریبِ نمود تھا

جس مشغلے کا بھی لیا تھوڑا سا جائزہ
اس مشغلے میں کوئی زیاں تھا نہ سُود تھا

زاہد کی شکل دیکھ کے یزداں بھی ہنس پڑا!
مُہمل سا اک صحیفۂ حمد و دُرود تھا

میں نے خدا کے ذہن کی تصویر گاہ سے
وہ دل رُبا چُنا جو نہالِ وُجود تھا

دل میں تمہارا آنا نہ بھُولے گا عمر بھر
کیا آمدن تھی کتنا مہذّب وُرود تھا

اُڑتے ہی رنگ پھول بھی غائب تھا ساتھ ہی
ثابت ہُوا کہ رنگ نہیں تھا وجُود تھا

بُت پوجنے بغیر خلاصی کہاں عدم؟
یزداں کا پیرہن بھی لباسِ شہُود تھا

○

اس مہ جبیں پہ آتا ہُوا جب شباب تھا
محشر کا آفتاب بھی زیرِ نقاب تھا

معیارِ خیر ختم تھا ہر آدمی کے ساتھ
جو اس کو بھا گیا وہی کارِ ثواب تھا

تھی میکدے کے صحن میں کچھ روشنی ضرور
اس سے پَرے جو تھا وہ جہانِ خراب تھا

گو بے حساب دَرد کا اس نے کیا علاج
بایں ہمہ جو درد تھا وُہ بے حساب تھا

اس نے ہر انقلاب کو منسوخ کر دیا
کل آپ کے سلوک میں جو انقلاب تھا

چوروں کا کام رَب نے خود آسان کر دیا
درباں بڑے سکون سے مصروفِ خواب تھا

دیرینہ دوست آنکھ چُرا کر نکل گئے
کیا دِل رُبا مظاہرۂ اِجتناب تھا!

تھی خود کو جاننے کی تڑپ جس میں شُعلہ زَن
ذرّے کا اتنا جزو ضرور آفتاب تھا!

وُہ لازماً جواب تو دیتا کوئی ضرور
شاید میرا سوال ہی کچھ لاجواب تھا!

سب کو برہنہ اس لئے پیدا کیا گیا
سب کو برہنہ ہونے سے شاید حجاب تھا

دانشوروں نے خاک ٹھہرنا تھا خُلد میں،
جو متقی وُہاں تھا وہ غرقِ شراب تھا

کچّے گھڑے کو بھی جو نہ ساحل پہ لا سکا
وہ کس طرح کا خضر وہ کیسا چناب تھا

جس میں بھی دو دلوں کے تعلق کا ذکر تھا
وُہ واقعہ نہیں تھا عدمؔ کوئی خواب تھا

سو کے ایسے نگار اٹھتا ہے
جیسے ابرِ بہار اٹھتا ہے

دو گھڑی اَور دل لبھاتا جا
کیوں خفا ہو کے یار اٹھتا ہے

زندگی شرکتوں سے چلتی ہے
کس سے تنہا یہ بار اٹھتا ہے؟

آج کی رات خیر سے گزرے
دردِ دل بار بار اٹھتا ہے

ہوش میں ہو تو میکدے سے عدمؔ
کب کوئی بادہ خوار اٹھتا ہے

○

جو بھی پھولوں میں رنگ بھرتا ہے
بلبلوں کو تو ذبح کرتا ہے

ساری دنیا حسین لگتی ہے
جب مِرا دِلربا سنورتا ہے

کچھ نہ کچھ رحم کھا ہی جائے گا
وہ خوشامد پہ سخت مَرتا ہے

چُوم لینے کو چاہتا ہے جی
وعدہ کر کے تو جب مکرتا ہے

خود کو آپ اُس گھڑی کبھی دیکھیں
شب کو جب پیرہن اترتا ہے

کھُبتی جاتی ہیں انگلیاں ساری
دل پہ جب کوئی پاؤں دھرتا ہے

کاش! تم کچھ سمجھ سکو کہ عدمؔ
تم پہ کیا کچھ نثار کرتا ہے

○

مری ہوس نے جہاں، پاؤں جا پسارا ہے!
ترے بدن کا کوئی گم شدہ کنارا ہے!

ستم سے ہم کو نہ محروم کر خدا کے لئے
ہمارا صرف اسی رزق پر گزارا ہے

یہ کالی رات گزارے گا کس طرح بلبل
چمن میں پھول نہ جگنو نہ کوئی تارا ہے

سنگار کرنے کی خاطر وہ آئے تھے لیکن
جو آئینہ ہے عقیدت سے پارا پارا ہے

رہیں گی خود بھی ابد تک وہ عطر آلودہ
جن انگلیوں نے تِری زلف کو سنوارا ہے

یہ حوضِ آبِ بقا ہے کہ مرقدِ تیرہ!
خضر نے تجھ کو سکندر جہاں اتارا ہے

غمِ زمانہ مجھے کر سکے گا کیا زخمی؛
کسی نے آبِ رواں کو بھی تیر مارا ہے

میں ناخدا کی طرف بے بسی سے کیوں دیکھوں!
جہاں سفینہ ڈبو دوں وہی کنارا ہے!

جو اصلیت ہے وہ ہے میکدے میں بے پردہ
عدمؔ بہشت تو صرف ایک استعارہ ہے

زہد و تقوے کے چلن اتنے دل آزار رہے
عمر بھر ہم اسی تکلیف سے مے خوار رہے

ہائے اس رہروِ ہستی کے مقدّر کا عروج
جس کے ہمراہ تری زلف کی مہکار رہے

اپنی صحت کبھی یوں بھی کوئی کرتا ہے خراب؟
ہم ترے آنے کی امّید میں بیمار رہے

مجھ سے ناچیز غلاموں کی کمی تھی کوئی
آپ کیوں اتنے پریشاں مری سرکار رہے؟

وہ بھی بگڑے رہے اور ہم سے بھی منت نہ ہوئی
رات بھر دونوں بلا فائدہ بیدار رہے

جو خرد ور بھی کھری چیز کے گاہک تھے عدمؔ
سب چمکدار فریبوں کے خریدار رہے

مٹا دیجئے یا بنا دیجئے!
کسی ایک جانب لگا دیجئے!

رعایت تو مجرم کی توہین ہے
رعایت نہ دیجے سزا دیجئے

توجّہ کی قِلّت مناسب نہیں
کوئی اور تہمت لگا دیجئے

صداقت بھی اک رُپ ہے مکر کا
یہ ساری عمارت ہی ڈھا دیجئے

بہاروں کی کچھ عمر بڑھ جائے گی
خدا کے لئے مسکرا دیجئے

سوالی کو خالی نہ لوٹائیے!
کم ازکم خدا تو دلا دیجئے

نہ رہ جائے تشنہ عدمؔ کی نماز
بدن کی جھلک تو دکھا دیجئے

○

کرم گستری کا اِرادہ نہ کر!
ستم اِتنا سنگین و سادہ نہ کر

مری سادگی بھا گئی ہے تجھے
تُو اُس سے غلط استفادہ نہ کر

تری سادہ پوشاک بھی ظلم ہے
ستم کو مرصّع زیادہ نہ کر

لپٹ جا اگر دِل میں ہے کچھ اُبال
تکلف سے باہیں کشادہ نہ کر

ترے حق میں مہلک ہے ترکِ شراب
عدؔم خودکشی کا ارادہ نہ کر

محبّت کرنے والا آدمی مجذوب ہوتا ہے
خِرد مندوں کا استدلال بھی کیا خوب ہوتا ہے!

تُو میخانے میں بیٹھا تھا کبھی ایّامِ طفلی میں؟
تِرا چلنا نشیلے پن سے کیوں منسُوب ہوتا ہے

جسے تشبیہ دیتے ہیں پیمبر باغِ جنّت سے
مِرا ایمان ہے وُہ پہلوئے محبوب ہوتا ہے

مِری آنکھوں سے پڑھ لے میرے احساساتِ باطن کو
کہ جو دِل پر گزرتا ہے کھلا مکتوب ہوتا ہے

اجل کی دسترس سے دُور ہے کردار کی عظمت
نڈر سچ بولنے والا کہاں مصلوب ہوتا ہے!

عدمؔ اِدراک جو چاہے وُہ شکل ایجاد کر ڈالے
بذاتِ خود نہ کچھ موزوں نہ کچھ معیوب ہوتا ہے

○

بھنووں کی کاٹ کا انداز کتنا والہانہ ہے
جو دل والا ہے اس کے نوکِ ابرو کا نشانہ ہے

وہ کہتے ہیں محبت اک مہارت ہے نمائش کی
خلوصِ عشق کا اِس سے بڑا کیا تازیانہ ہے!

ہے اپنی ذات کو پہچاننا مقصود ہستی کا
جو شے بھی ہے وہ اپنے اصل کی جانب روانہ ہے

مجھے تم آج بے حد دلکش و معصوم لگتے ہو
تمہاری سادگی میں اک ادائے قاتلانہ ہے

ملے گو سینکڑوں دَیر و حَرم وِرثے میں انساں کو
مگر وُہ جاہل و ناداں ابھی تک بے ٹھکانہ ہے

مجھے جھوٹی تسلّی سے تو مالا مال رہنے دے
یہ چھوٹی سی عنایت بھی جواہر کا خزانہ ہے

وُہ دِلبر ہے عدمؔ وُہ مار بھی ڈالے محبّت سے
تو قاتل اُس کو کہنا، اِک سلوکِ جارحانہ ہے

کیا کسی فرضی جہاں کی بات ہے؟
رسمِ ہمدردی کہاں کی بات ہے؟

بات اُس کی کتنی کڑوی کیوں نہ ہو
پھر بھی ربطِ جسم و جاں کی بات ہے

کر رہے ہیں وہ جو خوش کرنے کی بات
یہ بھی کوئی امتحاں کی بات ہے؟

عشق کوئی آسمانی شے نہیں!
تیرے میرے درمیاں کی بات ہے

پہلے مرنے کی تو دے تعلیم کچھ
زندگی تو بعد ازاں کی بات ہے

جان پڑتی ہے عدم جس بات سے
وہ تو اُس نامہرباں کی بات ہے

حوصلہ، خوشبو، لگن، تزئین ہے
عشق کی تہذیب کیا رنگین ہے

جو بھی کرنا ہے دلیرانہ کرو!
بزدلی کردار کی توہین ہے

سنگ باری ہے زمانے کا چلن
پھول برسانا ہمارا دین ہے

سوچتا ہوں اس کی کیا خدمت کروں
ایک قاتل طالبِ تحسین ہے!

شمع و پروانہ کی مجلس دیکھ لو!
پیار کرنے کا یہ پہلا سین ہے

○

راہِ میخانہ، سوئے طُور چلی جاتی ہے
بات نکلے تو بڑی دُور چلی جاتی ہے

تیری آواز جب آتی ہے تو اکثر مجھ کو
لے کے ہمراہ بڑی دُور چلی جاتی ہے

اعتنا حسبِ سلیقہ ہے مسلسل جاری
بے رُخی موجبِ دستور چلی جاتی ہے

کیا کوئی دُوسرا دیوانہ نہ ہو گا پیدا!
آج تک شہرتِ منصور چلی جاتی ہے

کام کے بعد عدم جھٹ اگر اجرت مل جائے
سب کی سب کلفتِ مزدور چلی جاتی ہے

اے معلّم طاق پر رکھ دے کتاب
کیا یہ صبح و شام ب، ت، ثین ہے!

میرے دل پر لیٹ جا آرام سے
یہ بھی کم قیمت کا اک قالین ہے

اس کا واویلا نہ سن ہرگز عدمؔ
باخدا دُنیا، تماشا بین ہے!

○

یہ الگ بات ہے ساقی کہ مجھے ہوش نہیں
ورنہ میں کچھ بھی ہوں، احسان فراموش نہیں

تم مسرّت سے ہو بے خود میں غموں سے پاگل
پرسشِ حال کا دونوں کو کوئی ہوش نہیں

مے کو رسوا نہ کرو کیونکہ پڑھا یہ ہے کہ جو
پی کے انسان نہ بن جائے وہ مے نوش نہیں

بیخودی میں مرا آغوش ہے مجھ سے آگے
شرم مت کیجیے میں شاملِ آغوش نہیں

ہوش پیرایۂ حیرت ہے تو مطلب یہ ہے
جس کو کچھ ہوش ہے اُسکو بھی کوئی ہوش نہیں

مے پلائی ہے تو اب نعرۂ مستی کو نہ روک
زندگی ہیچ ہے اک نوحۂ خاموش نہیں!

کیوں چھڑاتے ہو مرے ہاتھ سے آنچل اپنا
میں تو نشے میں ہوں سرکار تو مدہوش نہیں

کس طرح بیٹھ گئے وہ مرے پہلو میں عدمؔ
شک یہ پڑتا ہے کہ شاید مرا آغوش نہیں

○

وُہ جتنا کج طبیعت بن گیا ہے
بڑی میٹھی اذیت بن گیا ہے

نظر بازی کا درماں اب کٹھن ہے
یہ چٹخارہ ضرورت بن گیا ہے

ملا تھا ایک موقع فائدے کا
جو موقعے کی نزاکت بن گیا ہے

معزّز قاتلوں کو پیار کرنا
محبّت کی شریعت بن گیا ہے

عدمؔ اب بے پیئے بھی ہم ہیں رُسوا
نشہ رنگِ طبیعت بن گیا ہے

○

یہ تماشا نہ حماقت ہو گئی ہے
مجھے تم سے محبّت ہو گئی ہے

محبّت اک کھلی دیوانگی ہے!
مگر حسبِ ضرورت ہو گئی ہے!

یہ قضیہ کوئی اِک دن کا نہیں ہے
مجھے مرنے کی عادت ہو گئی ہے

تمہاری شکل میرے دیکھنے سے!
زیادہ خوبصورت ہو گئی ہے

فقیہہ شہر سے ٹکرا گیا ہوں
یہ رندانہ جسارت ہو گئی ہے

برائی میں کہاں اتنی سعادت!
بھلائی درسِ عبرت ہو گئی ہے

عدمؔ اب میری دیوانہ وشی سے
انہیں کافی شکایت ہو گئی ہے

ساقیا حشر اٹھے گا ترے میخانے سے
بات بڑھ جائے گی ٹوٹے ہوئے پیمانے سے

وہ بہی خواہ مجھے مار کے فرحاں ہونگے
باز آتے ہی نہیں جو کبھی سمجھانے سے

فائدہ کچھ مری خدمت سے اٹھا لو تم بھی!
شمع کی شہرتیں وابستہ ہیں پروانے سے

جس کی مستی کا اجارہ تری آنکھیں لے لیں
وہ کہاں پیتا ہے پھر کانچ کے پیمانے سے

تھامنے کے لئے آجاتے ہیں کتنے ہمدرد
پی کے شب کو وہ نکلتے ہیں جو میخانے سے

کیا عجب سن کے وہ بے درد چلا ہی آئے
فائدہ کچھ تو اٹھا لینے دو مر جانے سے

پھوٹتا ہے یونہی آغازِ جوانی کا شعور
ٹپکے پڑتے ہیں تیری آنکھ سے افسانے سے

عقل جب کام نہ دے کوئی تو پھر مجبوراً
لینی پڑتی ہے ہدایت کسی دیوانے سے

باغ کی گرد کو آنکھوں سے لگا لے مالی
پھول کانٹے نہیں بن جاتے بکھر جانے سے

شیخ کی آنکھ جو مجروح ہے تھوڑی سی مدام
لڑ گئی ہو گی کسی رند کے پیمانے سے

○

وہ ہنرمند جو مصروف درواں رہتے ہیں
ان کے ماتھے پہ بہاروں کے نشاں رہتے ہیں

شمع و پروانہ ملے جب، تو ہوا یہ روشن!
ہم کہاں بستے ہیں اور آپ کہاں رہتے ہیں

روشنی ہے مرے ادراک کا دستورِ عمل
مہ جبیں میرے خیالوں میں نہاں رہتے ہیں

ان کے آنچل تلے گم ہو گئی ہستی میری
پوچھ بیٹھے تھے مجھے آپ کہاں رہتے ہیں

ایسی دیوانہ وشی بھی کہیں دیکھی ہے کبھی
ہم تری سمت ہی ہر دم نگراں رہتے ہیں

اے خدا فکر نہ کر دل مرا خوش رکھنے کی
اس خرابے میں تو آلام جہاں رہتے ہیں

تُو بھی گھر اپنا بنا ڈال عدمؔ کے دل میں
اُس جگہ جتنے اجالے ہیں جواں رہتے ہیں!

نہ ڈھونڈو مسجدوں اور مندروں میں
خدا ملتا ہے بے رونق گھروں میں

بہت مشّاق ہو جائیں لٹیرے
تو مل جاتے ہیں جا کر رہبروں میں

جو تیرے ابروؤں کو ہے ودیعت
کہاں وہ کاٹ تیکھے خنجروں میں

بہار اس قہر سے پھوٹی ہے اب کے
کھلے ہیں پھول بلبل کے پروں میں

انہیں دل کیوں نہ تقریباً دکھا دیں ؟
پری وش بھی ہیں کچھ سوداگروں میں

تمہیں بھرتی کروں کس محکمے میں!
کفن چوروں میں یا بخیہ گروں میں

غریبوں کے لہو کا دیپ ہوگا
جو روشن ہے امیروں کے گھروں میں

عدمؔ مت پوچھ کیا لے کر اٹھا ہوں!
کبھی بیٹھا ہوں گر دانشوروں میں!

○

گزرا ہے کون شعلہ بدن اتنا پاس سے؟
ٹکرا گئی ہے تیز سی بجلی حواس سے!

تکتا ہوں پاگلوں کی طرح اس لیے تجھے
آنکھوں کو نور ملتا ہے تیرے لباس سے

خلّاق نے بھی حُسن دیا تھا تمہیں مگر!
آگے نکل چکے ہو تم اس کے قیاس سے!

شب بھر تو دل کی آگ میں رس گھولتے رہے
آنکھیں سلگ رہی ہیں مہینوں کی پیاس سے

مجھ کو کمر پہ ہاتھ نہ رکھنے دے سنگدل
لیکن ذرا گلاس تو ٹکرا گلاس سے

رہتا ہے یوں وہ میرے خیالوں میں بے نقاب
پھرتے ہیں جیسے گھر میں مکیں بے لباس سے

صرف اک پری ادا کے نہ ہونے سے اے عدم
مفرور ہے تمام اُجالا گلاس سے